

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشارات

ترجمان القرآن جن مقاصد کے لیے جاری کیا گیا ہے، وہ محض ایک اردو رسالہ کی اشاعت سے پورے نہیں ہو سکتے۔ ان کے لیے کم از کم ایک بین الاقوامی زبان کو ذریعہ تبلیغ و اشاعت بنانا ضروری ہے۔ تاکہ ایک طرف دنیا کے اسلام کے مختلف اقطار میں، اور دوسری طرف غیر مسلم قوموں میں ہم اپنی دعوت کو پھیلا سکیں جس مرض کا علاج ہم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ صرف ہندوستان اور ہندوستان کے بھی صرف اردو دان لوگوں تک محدود نہیں، بلکہ وہ ایک دباے عام ہے جو ساری دنیا میں پھیل چکی ہے، اور اس نے مسلمانوں کی بھی اکثر و بیشتر قوموں کو گھیر لیا ہے۔ ایک بے چینی ہے جس سے نوع بشری کی روح مضطرب ہو رہی ہے۔ ایک تشنگی ہے جس کو سارا عالم انسانی شدت کے ساتھ سوس کر رہا ہے۔ جو غیر مسلم ہیں وہ سرے سے جانتے ہی نہیں کہ وہ چشمہ آب حیات کہاں ہے جو ان کی پیاس کو بجھا سکتا ہے۔ اور جو مسلمان ہیں وہ اس کو جانتے ہیں مگر اس کو پتے نہیں یا ہی نہیں تھے اس کے ساتھی اہل منج کو چھوڑ کر ندیوں اور نالوں پر متکف ہو گئے۔ اس کے دہانے کو جہالت کے پتھروں سے پاٹ دیا گیا۔ اس کے بجائے گندے اور زہریلے پانی کی نہروں کا ایک جال تمام روئے زمین پر پھیل گیا جس کو بعض نادان اب تک آب حیات سمجھ رہے ہیں اور بہت سے دانا محض اس عبوری سے پیے جا رہے ہیں کہ ان کو آب حیات کا پتہ معلوم نہیں۔ ایسی حالت میں ایک دو نہیں، بہت سے ایسے منادیوں کی ضرورت ہے جو ان

و اکناف عالم میں خدا کے بھٹکے ہوئے بندوں کو اس چشمے کی طرف بلائیں جس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کی سیرابی کے لیے چھوڑ گئے ہیں، اور صرف بلائے ہی پر اکتفا نہ کریں، بلکہ جو درمانہ گان راہ اس تک آنے کی قوت نہیں رکھتے ان کے پاس خود اس کا پانی لے کر پہنچ جائیں۔

شرق ہو یا مغرب، مسلمان ہوں یا غیر مسلم بلا امتیاز سب ایک ہی مصیبت میں گرفتار ہیں، اور وہ یہ ہے کہ ان پر ایک ایسی تہذیب مسلط ہو گئی ہے جس نے سراسر مادیت کی آغوش میں پرورش پائی ہے اس کی حکمت نظری و حکمت عملی دونوں کی عمارت غلط بنیادوں پر اٹھائی گئی ہے۔ اس کا فلسفہ اس کا اس کے اخلاق، اس کی معیشت، اس کی معاشرت، اس کی سیاست، اس کے قوانین، غرض اس کی ہر چیز ایک غلط نقطہ آغاز سے چل کر ایک غلط رخ پر ترقی کرتی چلی گئی ہے، اور اب اس حلقہ پر پہنچ گئی ہے جہاں سے ہلاکت کی آخری منزل قریب نظر آرہی ہے۔

اس تہذیب کا آغاز ایک ایسی قوم میں ہوا جس کے پاس وحقیقت حکمت الہی کا کوئی صاف اور پاکیزہ سرچشمہ نہ تھا۔ مذہب کے پیشوا وہاں ضرور موجود تھے، مگر ان کے پاس حکمت نہ تھی۔ ان کے پاس علم نہ تھا۔ ان کے پاس خدا کا قانون نہ تھا۔ محض ایک غلط مذہبی تخیل تھا جو فکر و عمل کی راہوں میں نوع انسانی کو سیدھے رستے پر اگر چلانا چاہتا بھی تو چلا سکتا۔ وہ یس اتنا ہی کر سکتا تھا کہ علم و حکمت کی ترقی میں سہ راہ بن جاتا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، اور اس کی فراہمت کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ ترقی کرنا چاہتے تھے وہ مذہب اور مذہبیت کو چھوڑ کر ایک دوسرے رستے پر چل پڑے جس میں عقل، حس اور تجربے کے سوا کوئی اور چیز ان کی بہنما نہ تھی۔ یہ ناقابل اقدار رہنا، جو خود ہدایت اور نور کے محتاج تھے، ان کے معتمد علیہ بن گئے اور ان کی مدد سے انہوں نے فکر و نظر، تحقیق و اکتشاف، اور تعمیر

عظیم کی راہ میں جتنی سعی و جہد کی، اس کو ہر میدان میں ایک غلط نقطہ آغاز نصیب ہوا اور ان کی تمام ترقیات کا رخ ایک غلط منزل مقصود کی طرف پھر گیا، وہ الحاد اور مادیت کے نقطے سے چلے انہوں نے کائنات کو اس نظر سے دیکھا کہ اس کا کوئی خدا نہیں ہے، آفاق اور انفس میں یہ سمجھ کر نظر کیا کہ حقیقت جو کچھ بھی ہے مشاہدات اور محسوسات کی ہے، اور اس ظاہری پردے کے پیچھے کچھ بھی نہیں۔ تجربہ اور قیاس سے انہوں نے قانون فطرت کو جانا اور سمجھا، مگر اس کے فاطر تک نہ پہنچ سکے انہوں نے موجودات کو اپنے لیے مسخر پایا اور ان سے کام لینا شروع کیا، لیکن اس تحمل سے ان کے ذہن خالی تھے کہ وہ بالاصل ان اشیاء کے مالک اور حاکم نہیں ہیں، بلکہ اصلی مالک کے خلیفہ ہیں۔ اس جہالت و غفلت نے انہیں ذمہ داری اور جوابدہی کے بنیادی تصور سے بے گناہ کر دیا، اور اس کی وجہ سے ان کی تہذیب اور ان کے تمدن کی اساس ہی غلط ہو گئی۔ وہ خدا کو چھوڑ کر خود ہی کے پرستار بن گئے، اور خود ہی نے خدا بن کر ان کو نقصے میں ڈال دیا۔ اب یہ اسی چھوٹے خدا کی بندگی ہے جو فکر و عمل کے ہر میدان میں ان کو ایسے راستوں پر لیے جا رہی ہے جن کے درمیانی مراحل تو نہایت خوش آئند اور نظر فریب ہیں، مگر آخری منزل بجز ملامت کے اور کوئی نہیں۔ وہی ہے جس نے سائنس کو انسان کی تباہی کا آلہ بنا لیا۔ اخلاق کو فسادیت، ریاضت اور بے قیدی کے سانچوں میں ڈھال دیا۔ معیشت پر سرمایہ داری اور خود غرضی کا شیطان مسلط کر دیا۔ معاشرت کی رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں نفس پرستی تن آسانی، اور خود کامی کا زہر اتار دیا۔ سیاست کو قوم پرستی، وطنیت، رنگ و نسل کے امتیازات اور خداوند طاقت کی پرستاری سے آلودہ کر کے انسانیت کے لیے ایک بدترین سنت بنا دیا۔ غرض کہ وہ تجرہ نصیبت جو مغرب کی نشاۃ ثانیہ کے زمانہ میں بویا گیا تھا۔ چند صدیوں کے اندر تمدن و تہذیب کا ایک عظیم الشان شجر نصیبت بن کر اٹھ رہا ہے، جس کے پھل میٹھے مگر زہر آلود ہیں، جس کے پھول خوشنما خاردار ہیں، جس کی شاخیں بہار کا منظر پیش کرتی ہیں، مگر ایسی زہریلی ہوا اگل رہی ہیں جو نظر نہیں

اور انڈر ہی انڈر نوع بشری کے خون کو سموم کیے جا رہی ہے۔

اہل مغرب جنہوں نے اس شجرِ حبیث کو اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا، اب خود اس سے بیزار ہیں۔ اس نے زندگی کے ہر شعبے میں ایسی بھینس اور پریشا نیاں پیدا کر دی ہیں جن کو حل کرنے کی ہر کوشش بہت سی نئی بھینس پیدا کر دیتی ہے۔ جس شاخ کو کاٹتے ہیں، اس کی جگہ بہت سی خاردار شاخیں نکل آتی ہیں۔ سرمایہ داری پر تیشہ چلایا تو بولشویزم نمودار ہو گئی۔ جمہوریت پر ضرب لگائی تو ڈکٹیٹر شپ پھوٹ نکلی۔ اجتماعی مشکلات کو حل کرنا چاہا تو نسوانیت (Feminism) اور برتھ کنٹرول کا ظہور ہوا۔ اخلاقی مفاسد کا علاج کرنے کے لیے قوانین سے کام لینے کی کوشش کی تو قانون شکنی اور جرائم منگی نے سراٹھایا۔ غرض فساد کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جو تہذیب و تمدن کے درخت سے نکل رہا ہے، اور اس نے مغربی زندگی کو از سرتاپا مصائب و آلام کا ایک پھوڑا بنا دیا ہے جس کی ہر رگ میں نیس اور ہر ریشے میں دکھن ہے۔ مغربی قومیں دروے بیتاب ہو رہی ہیں۔ ان کے دل بے قرار ہیں۔ ان کی رو میں کسی امرت رس کے لیے تڑپ رہی ہے۔ مگر انھیں خبر نہیں کہ امرت رس کہاں ہے۔ ان کی اکثریت ابھی تک اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ مصائب کا سرچشمہ اس شجرِ حبیث کی محض شاخوں میں ہے، اس لیے وہ شاخیں کاٹنے میں اپنا وقت اور اپنی محنتیں ضائع کر رہی ہے، مگر نہیں سمجھتی کہ خرابی جو کچھ بھی ہے اس درخت کی جڑ میں ہے اور اصل فاسد سے فرع صلح نکلنے کی امید رکھنا حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ دوسری طرف ایک قلیل جماعت ایسے صحیح عقل لوگوں کی بھی ہے جنہوں نے اس حقیقت کو پایا ہے کہ ان کے شجرِ تہذیب کی اہل ہی خرابی ہے، مگر وہ صدیوں تک اسی درخت کے سایہ میں پرکوش پاتے رہے ہیں اور اسی کے ثمرات سے ان کی ہڈی بوٹی بنی ہے، اس لیے ان کے ذہن یہ سمجھنے سے فاصر ہیں کہ اس اہل کے بجائے کوئی دوسری اہل ایسی ہو سکتی ہے جو صلح و بارگاہ کی قوت رکھتی ہو۔ نتیجہ میں دونوں جماعتوں کا حال ایک ہی ہے وہ سب کے سب بیتابی کے تحت

کسی چیز کے طالب ہیں، جو ان کے درد کا درمان کرے، مگر انہیں خبر نہیں ہے کہ ان کا مطلوب کیا ہے۔ اور کہاں ہے۔

یہ وقت ہے کہ مغربی قوموں کے سامنے قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو پیش کیا جائے اور انہیں بتایا جائے کہ یہ ہے وہ مطلوب جس کی طلب میں تمہاری رُو میں بے قرار ہیں یہ ہے وہ امرت جس کے تم پیاسے ہو، یہ ہے وہ شجر طیب جس کی اصل بھی صالح ہے اور شاخیں بھی صالح جس کے پھول خوشبودار بھی ہیں اور بے خار بھی جس کے پھل میٹھے بھی ہیں اور جاں بخش بھی جس کی ہوا لطیف بھی ہے اور روح پرور بھی یہاں تم کو حکمت ملے گی یہاں تم کو فکر و نظر کے لیے ایک صحیح نقطہ آغاز ملے گا یہاں تم کو وہ علم ملے گا جو نظری اور عملی دونوں قسم کے علوم کو ایک مستقیم و مستحکم بنیاد فراہم کرتا ہے۔ یہاں تم کو وہ ایمان ملے گا جو انسانی سیرت کی بہترین شکل کرتا ہے۔ یہاں تم کو وہ روحانیت ملے گی جو راجحوں اور نسیانیوں کے لیے نہیں بلکہ کارزار دنیا میں جہد جہد کرنے والوں کے لیے سکون طلب و جمعیت خاطر کا سرچشمہ ہے یہاں تم کو اخلاق اور قانون کے وہ بلند اور پائیدار قواعد ملیں گے جو انسانی فطرت کے علم حاوی پر مبنی ہیں اور خواہشات نفس کے اتباع میں بدل نہیں سکتے یہاں تم کو تہذیب و تمدن کے وہ صحیح اصول ملیں گے جو طبقات کے حلی امتیازات اور اقوام کی خصوصی تفریقوں کو مٹا کر خالص عقلی بنیادوں پر انسانی جمعیت کی تنظیم کرتے ہیں اور عدل مساوات، فیاضی اور حسن معاشرت کی ایک ایسی پرامن اور مناسب ضنا پیدا کر دیتے ہیں جس میں افراد اور طبقات اور فرقوں کے درمیان حقوق کی کشمکش اور مفاد و مصالح کے تصادم اور اغراض و مقاصد کی جنگ کے لیے کوئی موقع باقی ہی نہیں رہتا، اور سب کے سب باہمی تعاون کے ساتھ شخصی و اجتماعی فلاح کے لیے خوش دلی اور اطمینان کے ساتھ عمل کر سکتے ہیں۔ اگر تم ہلاکت سے بچنا چاہتے ہو تو قبل اس کے کہ تمہاری تہذیب ایک ہونک صد سے پاش پاش ہو کر اسی کی برباد شدہ تہذیبوں میں ایک کا اضافہ کرے، تم کو چاہیے کہ اسلام کے خلاف

ان تمام قصبات کو جو تہیں قرآن وسطیٰ کے مذہبی دیوانوں سے وراثہ سے ہیں اور جن کو تم نے اس تک دور کی تمام دوسری چیزوں سے قطعاً تعلق کرنے کے باوجود ابھی تک نہیں چھوڑا ہے، اپنے دلوں سے نکال دو اور کھلے دل کے ساتھ قرآن اور محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو سوا سمجھو اور قبول کرو۔

مسلمان قوموں کا حال مغربی قوموں کے حال سے مختلف ہے۔ مرض اور بے اسباب مرض بھی دوسرے ہیں، مگر علاج ان کا بھی وہی ہے جو اہل مغرب کہتے ہیں یعنی اس علم و ہدایت کی طرف رجوع جس کو اللہ نے اپنی آخری کتاب اور اپنے آخری نبی کے ذریعہ بے بھیجا ہے۔

اسلام کے ساتھ مغربی تہذیب کا تصادم جن حالات میں پیش آیا ہے وہ ان حالات سے بالکل مختلف ہیں جن میں اس سے پہلے اسلام اور دوسری تہذیبوں کے درمیان تصادم ہوا ہے۔ رومی فارسی ہند اور چینی تہذیبیں اس وقت اسلام سے ٹکرائیں جب وہ اپنے متبعین کی فکری و عملی قوتوں پر پورے زور کیا مگر ان سے قرآن کا علم ان کے دل و دماغ میں بسا ہوا تھا۔ طریقہ محمدی ان کی زندگی کا دستور اہل تھا بہت اور اجتہاد کی زبردست روح ان کے اندر کار فرما تھی، روحانی اور مادی دونوں حیثیتوں سے وہ دنیا میں ایک غالب قوم تھے اور تمام اقوام عالم کی پیشوائی کا منصب ان کو حاصل تھا۔ ایسی حالت میں کئی تہذیب انکی تہذیب کے مقابلہ میں ٹھیکری انہوں نے جس طرف رخ کیا، قوموں کے خیالات، نظریات، علوم اخلاق و عادات اور طرز تمدن میں انقلاب پیدا کر دیا۔ ان میں تاثر کی قابلیت کم اور تاثیر کی قوت بہت زیادہ تھی، بلاشبہ انہوں نے دوسروں سے بہت کچھ لیا، مگر ان کی تہذیب کا مزاج اس قدر طاقتور اور مضبوط تھا کہ باہر سے جو چیز بھی اس میں آئی وہ اس کی طبیعت کے مطابق دھل گئی۔ اور کسی بیرونی اثر سے اس میں مزاج مختلف پیدا نہ ہو سکا۔ بخلاف اس کے انہوں نے جو اثرات دوسروں پر ڈالے وہ انقلاب انگیز ثابت ہوئے۔ بعض غیر مسلم تہذیبیں تو اسلام میں جذب ہو کر اپنی انفرادیت ہی کھو بیٹھیں، اور بعض جن میں زندگی

کی طاقت زیادہ تھی، اسلام سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ ان کے اصول میں بہت کچھ تغیر واقع ہو گیا مگر یہ قصہ ہے جبکہ آتش جواں تھا۔

مسلمان صدیوں تک دنیا میں قلم اور تلواریں کے ساتھ فرما زوائی کرتے کرتے آخر کار تھک گئے ان کی روح جہاد سرد پڑ گئی، قوت اجتہاد ٹل ہو گئی جس کتاب نے ان کو علم کی روشنی اور عمل کی طاقت بخشی تھی انہوں نے محض ایک تبرک یا یادگار بنا کر خلافتوں میں لپیٹ دیا، جس بادی اعظم کی سنت نے ان کی تہذیب کے ایک مکمل نکتہ چینی نظام کی صورت میں شکل کیا تھا اس کی پیروی کو انہوں نے چھوڑ دیا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی ترقی کی رفتار رک گئی رہتا ہوا دریا بیکجا ایک جمود کی وادی میں ٹھہر کر تالاب بن گیا۔ امامت کے منصب کے مسلمان مغرول ہوئے۔ دنیا کی قوموں پر ان کے افکار ان کے علوم، اور ان کے تمدن اور ان کے سیاسی اقتدار نے جو قابو پالیا تھا، اس کی گرفت ڈھیلی ہو گئی پھر اسلام کے بالمقابل ایک دوسری تہذیب نے جنم لیا جہاں اور اجتہاد کا جھنڈا، جس کو مسلمانوں نے پھینک دیا تھا، مغربی قوموں نے اٹھالیا، مسلمان سوتے رہے اور اہل مغرب اس جھنڈے کو لے کر علم و عمل کے میدان میں آگے بڑھے، یہاں تک کہ امامت کا منصب جس سے مسلمان معزول ہو چکے تھے ان کو مل گیا۔ ان کی تلوار نے دنیا کے سواد اعظم کو فتح کیا۔ ان کے افکار و نظریات علوم و فنون اور اصول تہذیب و تمدن دنیا پر چھا گئے، مان کی فرما زوائی نے صرف اجسام ہی کا نہیں، دلوں اور دماغوں کا بھی احاطہ کر لیا۔ آخر صدیوں کی میند کے بعد جب مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں تو انہوں نے دیکھا کہ میدان ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ دوسرے اس پر قابض ہو چکے ہیں اب علم ہے تو ان کا ہے، تہذیب ہے تو ان کی ہے۔ قانون ہے تو ان کا ہے، حکومت ہے تو ان کی ہے مسلمانوں کے پاس کچھ بھی نہیں، ایک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خاموش ہے۔

اب اسلام اور مغربی تہذیب کا تصادم ایک دوسرے ڈھنگ پر ہو رہا ہے۔ یقیناً مغربی تہذیب کسی حیثیت سے بھی اسلام کے مقابلہ کی تہذیب نہیں۔ اگر تصادم اسلام سے ہو تو دنیا کی کوئی قوت اس کے مقابلہ میں نہیں ٹھیکر سکتی۔ مگر اسلام ہے کہاں مسلمانوں میں نہ اسلامی سیرت ہے، نہ اسلامی اخلاق ہیں، نہ اسلامی افکار ہیں، نہ اسلامی اسپرٹ ہے۔ اسلامی روح نہ ان کی مسجدوں میں ہے، نہ مدرسوں میں، نہ خانقاہوں میں عملی زندگی سے اسلام کا ربط باقی نہیں رہا۔ اسلام کا قانون نہ ان کی شخصی زندگی میں نافذ ہے نہ اجتماعی زندگی میں۔ ان تہذیب کا کوئی شبہ ایسا نہیں جس کا نظم صحیح اسلامی طرز پر باقی ہو۔ ایسی حالت میں دراصل مقابلہ اسلام اور مغربی تہذیب کا نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی انسردہ، جامد اوپس ماندہ تہذیب کا ایک ایسی تہذیب سے مقابلہ ہے جس میں زندگی ہے، حرکت ہے، روشنی علم ہے، گرمی عمل ہے، ایسے نامساوی مقابلہ کا جو نتیجہ ہو سکتا ہے وہی ظاہر ہو رہا ہے۔ مسلمان پسا ہو رہے ہیں، ان کی تہذیب شکست کھا رہی ہے وہ آہستہ آہستہ مغربی تہذیب میں جذب ہوتے چلے جا رہے ہیں، ان کے دلوں اور دماغوں پر مغربیت مسلط ہو رہی ہے۔ ان کے ذہن مغربی سانچوں میں ڈھل رہے ہیں۔ ان کی فکری و نظری قوتیں مغربی اصولوں کے مطابق تربیت پا رہی ہیں۔ ان کے تصورات، ان کے اخلاق، ان کی معیشت، ان کی معاشرت، ان کی سیاست ہر چیز مغربی رنگ میں رنگی جا رہی ہے، اور ان کی نئی نسلیں اس تخیل کے ساتھ اٹھ رہی ہیں کہ زندگی کا حقیقی قانون وہی ہے جو مغرب سے ان کو مل رہا ہے۔ شکست دراصل مسلمانوں کی شکست ہے، مگر قسمتی سے اس کو اسلام کی شکست سمجھا جاتا ہے۔

ایک ملک نہیں جو اس مصیبت میں گرفتار رہو۔ ایک قوم نہیں جو اس خطرے میں مبتلا ہو۔ آج تمام دنیا سے اسلام اسی خوفناک انقلاب کے دور سے گزر رہی ہے، درحقیقت یہ علماء کا کام تھا کہ جب اس انقلاب کی ابتدا ہو رہی تھی اس وقت وہ بیدار ہوتے، آنے والی تہذیب کے اصول و مبانی کو سمجھتے، مغربی

حاکم کا سفر کر کے ان علوم کا مطالعہ کرتے جن کی بنیاد پر یہ تہذیب اٹھی تھی۔ اجتہاد کی قوت سے کام لے کر ان کا آمد علمی اکتشافات اور علمی طریقوں کو اخذ کر لیتے جن کے بل پر مغربی قوموں نے ترقی کی تھی اور ان نئے نئے کل پڑوں کو اصول اسلام کے ماتحت مسلمانوں کے تعلیمی نظام اور ان کی تمدنی زندگی کی مشین میں اس طرح نصب کر دیتے کہ کئی صدیوں کے جمود سے جو نقصان پہنچا تھا اس کی تلافی ہو جاتی، اور اسلام کی گاڑی پھر سے زمانہ کی رفتار کے ساتھ چلنے لگتی۔ مگر افسوس کہ علماء لالا ماسار اللہ خود اسلام کی حقیقی روح سے خالی ہو چکے تھے۔ ان میں اجتہاد کی قوت نہ تھی۔ ان میں تفقہ نہ تھا۔ ان میں حکمت نہ تھی ان میں عمل کی طاقت نہ تھی۔ ان میں اتنی صلاحیت ہی نہ تھی کہ خدا کی کتاب اور رسول خدا کی علمی و علمی ہدایت سے اسلام کے دائمی اور پھلدار اصول اخذ کرتے اور زمانہ کے متغیر حالات میں ان سے کام لیتے ان پر تو اسلاف کی اندھی اور جاہد تقلید کا مرض پوری طرح مسلط ہو چکا تھا جس کی وجہ سے وہ ہر چیز کو ان کتابوں میں تلاش کرتے تھے جو خدا کی کتاب میں نہ تھیں کہ زمانہ کی قیود سے بالاتر ہوتیں۔ اور ہر مصلحت میں ان انسانوں کی طرف رجوع کرتے تھے جو خدا کے نبی نہ تھے کہ ان کی بصیرت اوقات اور حالات کی بندشوں سے بالکل آزاد ہوتی۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ وہ ایسے وقت میں مسلمانوں کی کامیاب رہنمائی کر سکتے جب کہ زمانہ بالکل برا پہنچا تھا اور علم و عمل کی دنیا میں ایسا عظیم تیز واقع ہو چکا تھا جس کو خدا کی نظر تو دیکھ سکتی تھی مگر کسی غیر نبی انسان کی نظر میں یہ طاقت نہ تھی کہ انوں اور صدیوں کے پردے اٹھا کر ان تک پہنچ سکتی۔ اس میں شک نہیں کہ علماء نے نئی تہذیب کا مقابلہ کرنے کی کوشش ضرور کی، مگر مقابلہ کے لیے جس سرد سامان کی ضرورت تھی وہ ان کے پاس نہ تھا۔ حرکت کا مقابلہ جمود سے نہیں ہو سکتا۔ رفتار زمانہ کو باتوں کے زور سے نہیں بدلا جاسکتا۔ نئے اسلحہ کے سامنے فرسودہ اور زنگ آلود ہتھیار کام نہیں دے سکتے علماء نے جن طریقوں سے امت کی رہنمائی کرنی چاہی ان کا کامیاب ہونا کسی طرح ممکن ہی نہ تھا۔ جو قوم مغربی تہذیب کے طوفان میں گھر چکی تھی، وہ آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر، اور جو اس کو مٹل کر کے کب تک طوفان کے وجود سے

انکار کرتی اور اس کے اثرات محفوظ رہتی۔ جس قوم پر تمدن و تہذیب کا جدید نظام سیاسی طاقت کے ساتھ عطا ہو چکا تھا وہ اپنی علمی زندگی کو غلوبی و محکومی کی حالت میں اس سے کہاں تک سنبھال سکتی تھی آخر کار وہی ہوا جو ایسے حالات میں ہونا چاہیے تھا۔ سیاست کے میدان میں شکست کھانیکے بعد مسلمانوں نے علم اور تہذیب و تمدن کے میدان میں بھی شکست کھائی اور اب ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ دنیا کے اسلام کے خطہ میں مغربیت کا طوفان ہلاکتی تیزی سے بڑھتا چلا جا رہا ہے جس کی رو میں بہتے بہتے مسلمانوں کی نئی نسلیں اسلام کے مرکز سے کوسوں دور نکل گئی ہیں۔

قدیمتی یہ ہے کہ علماء اسلام کو استیجاب اپنی غلطی کا احساس نہیں ہوا ہے۔ قریب قریب ہر اسلامی ملک میں علماء کی جماعت اب بھی اسی روش پر قائم ہے اور اصرار و شدت کے ساتھ قائم ہے جس کی وجہ سے ابتدا میں ان کو ناکامی ہوئی تھی۔ چند ستنی شخصیتوں کو چھوڑ کر، علماء کی عام حالت یہ ہے کہ وہ زمانے کے موجودہ رجحانات اور ذہنیوں کی نئی ساخت کو سمجھنے کی قطعاً کوشش نہیں کرتے۔ جو چیزیں مسلمانوں کی نئی نسلیں کو اسلام سے بیگانہ کر رہی ہیں، ان پر اظہارِ نفرت تو ان سے جتنا چاہیے کر لیجئے لیکن اس زہر کا تریاق بہم پہنچانے کی زحمت وہ نہیں اٹھا سکتے جدید حالات نے مسلمانوں کے لیے جو جدید علمی مسائل پیدا کر دیے ہیں ان کو حل کرنے میں ان حضرات کو ہمیشہ ناکامی ہوتی ہے، کیوں کہ ان کا عمل جہتاً کے بغیر ممکن نہیں، اور اجتہاد کو یہ اپنے اوپر حرام کر چکے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات اور اس کے قوانین کو بیان کرنا جو طریقہ آج ہمارے علماء اختیار کر رہے ہیں وہ جدید تعلیمی فتنہ لوگوں کو اسلام سے مانوس کرنے کے بجائے الٹا متنفر کر دیتا ہے۔ اور بسا اوقات ان کے مواظظن کر یا ان کی تحریروں کو پڑھ کر دلی سے بے اختیار یہ دعا نکلتی ہے کہ خدا کرے کسی غیر مسلم یا بھنگے ہوئے مسلمان کے چشم و گوش تک یہ صدائے بے ہنگام نہ پہنچی ہو۔ انہوں نے اپنے ارد گرد دو سو برس پرانی فضا پیدا کر رکھی ہے۔ اسی فضا میں

سوچتے ہیں، اسی میں رہتے ہیں اور اسی کے مناسب حال باتیں کرتے ہیں۔ بلاشبہ علوم اسلامی کے جو آج دنیا میں اتنی بزرگوں کے دم سے قائم ہیں، اور جو کچھ دینی تعلیم پھیل رہی ہے انہی کے ذریعہ سے پھیل رہی ہے، لیکن دوسو برس کی جو وسیع ظلیج انہوں نے اپنے اور زمانہ حال کے درمیان حاصل کر رکھی ہے وہ اسلام اور جدید دنیا کے درمیان کوئی ربط قائم نہیں ہونے دیتی۔ جو اسلامی تعلیم کی طرف جاتا ہے وہ دنیا کے کسی کام کا نہیں رہتا۔ جو دنیا کے کام کا بننا چاہتا ہے وہ اسلامی تعلیم سے بالکل بچکا ہوتا ہے یہی سبب ہے کہ اس وقت دنیا کے اسلام میں ہر جگہ دو ایسے گروہ پائے جاتے ہیں جو بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک گروہ اسلامی علوم اور اسلامی ثقافت کا علمبردار ہے۔ مگر زندگی کے کسی شعبے میں مسلمانوں کی رہنمائی کے قابل نہیں، دوسرا گروہ مسلمانوں کی علمی، ادبی، تمدنی اور سیاسی رہنمائی کو چلا رہا ہے، مگر اسلام کے اصول و مبادی سے ناواقف ہے، اسلامی تہذیب کی اسپرٹ سے بچکا ہے، اسلام کے اجتماعی نظام اور تمدنی قوانین سے نا آشنا ہے، صرف دل کے ایک گوشہ میں ایمان کا تھوڑا بہت نور رکھتا ہے، باقی تمام حیثیتوں سے اس میں اور ایک غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں، مگر چونکہ علمی و فنی طاقت جو کچھ بھی ہے اسی گروہ کے ہاتھ میں ہے اور اسی کے دست و بازو ہیں جو گاڑی چلانے کی طاقت رکھتے ہیں، اس لیے وہ ملت کی گاڑی کو لے کر گمراہی کی وادیوں بھٹکتا چلا جا رہا ہے اور کوئی نہیں جو اس کو سیدھا راستہ بتائے۔

ہم اس حالت کو دیکھ رہے ہیں اور اس کا خوفناک انجام ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اگرچہ رہنمائی کے لیے جس علم و فضل اور جامعیت کی ضرورت ہے وہ ہم کو حاصل نہیں۔ نہ اتنی قوت میسر ہے کہ ایسے بگڑے ہوئے حالات میں اتنی بڑی قوم کی اصلاح کر سکیں، لیکن اللہ نے دل میں ایک درودیا ہے، اور وہی درود مجبور کرتا ہے کہ جو تھوڑا سا علم اور نور بصیرت اللہ تعالیٰ نے بخشا ہے، اس کے کام

مسلمانوں کے ان دونوں گروہوں کو اسلامی تعلیم کے اہل نفع اور اسلامی تہذیب کے حقیقی اساس کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دیں، اور کامیابی و ناکامی سے بے پروا ہو کر اپنی سی کوشش کر لیں۔ کام کی بزرگی اور اپنی کمزوری کو دیکھ کر اپنی کوششیں خود ہم کو ہیج میرز معلوم ہوتی ہیں۔ مگر کامیابی اور ناکامی جو کچھ بھی ہے اس کا درمطلق کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارا کام کوشش کرنا ہے، اور اپنی حدود تک ہم اپنی کوشش کے دائرے کو پھیلا نا چاہتے ہیں۔ ڈھائی سال سے اس دعوت کی اشاعت صرف اردو کی تنگ دنیا میں محدود تھی۔ اب خدا کے فضل سے ایک ایسا رفیق کار لگایا ہے جس نے انگریزی زبان کے ذریعہ سے مغرب اور شرق کی وسیع دنیا میں اس دعوت کو پھیلانے کا بیڑا اٹھا لیا ہے۔ اگر خدا کو منظور ہے تو آگے چل کر ایسے ہی اور بہت سے رفقاء ہم پہنچ جائیں گے جو دوسری زبانوں میں اس خدمت کو انجام دیں گے۔